داعی اور دعوت کا کام: از محمد موسیٰ بھٹو۔ ملنے کا پتہ: سندھ نیشنل اکیڈمی، پوسٹ بکس نمبر 258، حیدر آباد (سندھ۔ پاکستان)۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کا عام سا معیار۔ دبیز سادہ رنگین ٹائیٹل۔ قیمت ۳۰ روپے۔

محمد موسیٰ بھٹو قومی اور دینی مسائل کے لیے سوچنے اور لکھنے کا جذبہ خاص رکھتے ہیں۔ بالعموم ان کی کتابوں کی قدر کی جاتی ہے۔ مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ ان کی اس کتاب کو میں نے پڑھا اور اس کا جو نصف حصہ بطور اصل "کیس" کے خود پیش کیا ہے، اس میں نہ تو کوئی ترتیب ملی، نہ یہ سمجھا جا سکا کہ کس بات کا رخ کس طرف ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خاص جذبات و احساسات ہیں، دعوت حق کا کام کرنے والوں کے متعلق، جنہیں بتکرار پیش کر دیا گیا ہے۔ ان کی نیت اچھی ہو گی مگر بات بنی نہیں۔ ہاں چند اصحاب کو اپنے خیالات اور لٹریچر سے آگاہ کر کے خطوں کے جو جوابات حاصل کیے گئے ہیں وہ کتاب کا دوسرا دلچسپ حصہ ہیں، مگر ان میں طرح طرح کے جواب ہیں، یعنی پھر وہی انتشار!

آپ نے دیکھا ہو گا کہ صحرا میں اگر کہیں ذرا سی نمی پا کر کھجور کا کوئی درخت اگ آئے تو اس کے آس پاس نہ صرف جھاڑیاں، بوٹیاں، سرکنڈے اور گھاس وغیرہ بھی نمودار ہو جاتے ہیں بلکہ بعد میں کھجور کے مزید درخت سربلند کرتے ہیں۔

یہی مثال دعوت اسلامی کی ہے۔ اس کام کی طرف پوری توجہ نہیں تھی تو مولانا مودودیؒ نے اسلامی دعوت برائے تحریک اقامت دین کا آغاز کیا۔ دوسری طرف مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک اور طرز سے تبلیغ کا کام کرنا شروع کر رکھا تھا۔ اہل تبلیغ تو بحثوں اور وضاحتوں سے بے نیاز رہ کر کام کرتے رہے کیونکہ اوپر دیوبند کا سایہ تھا۔ مگر مولانا مودودیؒ کی قائم کردہ جماعت اسلامی برائے دعوت الی اللہ وسعی اقامت دین ہر طرف سے نشانہ بن گئی۔ کسی نے کہا دین کو تحریک نہیں کہا جا سکتا۔ کسی نے کہا دین کی اقامت کا مفہوم ہی غلط لیا گیا ہے، کسی نے کہا، آخر نظام کی اصطلاح قرآن و حدیث میں کہاں درج ہے۔ پھر کہا گیا کہ جس تحریک کا سیاسی پہلو بھی ہو وہ دعوت کا کام نہیں کر سکتی، سیاسی کوشش غلط ہے۔ سیاسی اقتدار البتہ خدا تعالیٰ بطور انعام دے سکتا ہے۔ سیاسی رجحان موجود ہو تو روحانیت نہیں رہ سکتی۔ یہ ساری روئیدگی کھجور کے درخت کے گرد ہو رہی تھی جو صحرا میں اگ کر بڑا ہو تا گیا۔ پھر کھجور کے اور پودے بھی آس پاس ابھرنے لگے۔ کسی نے کہا تعبیر کی غلطی ہو گئی تھی، ہم اب نئی تعبیر کرتے ہیں۔ کسی نے کہا کام انقلابی شروع ہوا تھا، اب انتخابی بن گیا ہے، لہٰذا ہم انقلاب اٹھانے کے لیے الگ مورچہ بناتے ہیں۔

ایک زمانے میں اصلاحی محاذ بھی تھا' اس کا شاخسانہ اب بھی ہے' پھر اس کے بالمقابل ایک اور ذیلی سکول اختلاف کرنے والا بھی ہے۔ مولانا ابو الحسن علی (تبلیغی جماعت) اور مولانا عبدالوحید خاں نے اپنا راستہ اس فلسفے کے تحت الگ کیا کہ مسلمان تبلیغ کرنے کے بجائے دوسروں سے ٹکرا جاتے ہیں اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ امام حسینؓ سے لے کر تحریک مجاہدین تک ساری تاریخ دعوت اسلامی پٹڑی سے اتر گئی۔ اب انہوں نے پھر سے اسے پٹڑی پر چڑھانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ ہمارے بھائی محمد موسیٰ بھٹو موخر الذکر دو مدرسہ ہائے فکر سے متاثر ہیں۔ اس لیے دعوت اسلامی کا اصل راستہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔

بھٹو صاحب کہتے ہیں کہ داعی میں کبر نہیں ہونا چاہیے' محبت و انکسار ہونا چاہیے' اسے دوسروں کو غلط کہنے سے بچنا چاہیے' سیاست کو دعوت کے ساتھ جمع نہیں کرنا چاہیے۔ اس کام کو نظام اور تحریک بنا کر کرنے سے تعلق باللہ پوری طرح حاصل نہیں ہوتا' خشیت و تقویٰ کی راہیں نہیں کھلتیں اور تفرقہ کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔

ادھر محمد موسیٰ بھٹو اس بات پر بھی سخت پریشان ہیں کہ "جدید تہذیب کا بڑھتا ہوا سیلاب تو ہماری نئی نسلوں کا سارا دین و ایمان غارت کر رہا ہے ---- ضرورت ہے کہ ہم تہذیب جدید کے چیلنج کے مسئلے کو مسائل کی فہرست میں پہلی ترجیح دیں....."

کاش کہ پیش آمدہ مصیبت کو اس سے زیادہ واضح طور پر سمجھ کر داعیان حق یا انقلابیان اسلام کے فرائض کی صحیح وسعت کا اندازہ کرتے۔ اس طوفان کا مقابلہ عقائد کے میدان میں' علوم کے میدان میں' اور ادب کے میدان میں' صحافت کے میدان میں' سائنس اور اسلحہ کے میدان میں' اور اس طرح جمہوری اقتدار کے میدان میں کرنا ہو گا' ورنہ صرف کلمہ پڑھا کر تو اس طوفان کا رخ نہیں موڑا جا سکتا۔ (ن - ص)

بقیہ: حکمت مودودیؒ

ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اس کام میں شریک ہونے کے بعد بھی کسی حال میں چھوٹا بننے پر راضی نہ ہو' اور اطاعت کو اپنے مرتبے سے گری ہوئی چیز سمجھے یا حکم کی چوٹ اپنے نفس کی گہرائیوں میں محسوس کرے اور تلخی کے ساتھ اس پر تلملائے یا اپنی خواہش اور مفاد کے خلاف احکام کو ماننے میں ہچکچائے' وہ دراصل اس بات کا ثبوت پیش کرتا ہے کہ ابھی اس کے نفس نے اللہ کے آگے پوری طرح سرِ اطاعت خم نہیں کیا ہے اور ابھی اس کی انانیت اپنے دعووں سے دست بردار نہیں ہوئی ہے۔